حسینؑ میدانِ سیاست میں

حکیم الامت علامۂ ہندی آیۃ اللہ سید احمد نقویؒ

تمام تمدنی شاخوں کا مبدأ اصلی قوم کا وہ مزاج عقلی ہوتا ہے جو مدتوں کے موروثی اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک یہ مزاج نہ بدل جاوے، تمام تمدنی شاخوں میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ لیکن مزاج عقلی کو صرف زمانہ ہی بدل سکتا ہے، فاتح قومیں بھی اس میں کوئی تغیر نہیں پیدا کرسکتیں۔ ہر پست درجہ قوم کو تمدنی مدارج کے طے کرنے میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جن وحشی قوموں نے یونانی تمدن کو پامال کردیا ان کے حالات سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ اس بناء پر جو لوگ تعلیم وتربیت کے ذریعہ ان مراحل کو پھاندنا چاہتے ہیں وہ اس قوم کے اخلاق کو پراگندہ اوراس کے دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اوراس کوایک ایسی سطح کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جو پہلے سے بھی زائد پست ہے۔

اسی طرح سے متمدن قومیں بھی اپنے تمدن میں دفعتاً کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرسکتیں بلکہ ان کو اس تمدنی انقلاب میں بتدریج مختلف مرحلوں اور مختلف دوروں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاریخ بظاہر اس کی مخالفت کرتی ہے اور بہت سے نظائر اس کے ملتے ہیں کہ قوموں نے اپنے تمدنی عناصر بدل دیئے ہیں۔ اور اپنے قدیم مذہب، قدیم سیاست وقدیم زبان اور قدیم فنون لطیفہ کے بجائے جدید مذہب، جدید سیاست، جدید زبان، جدید فنون لطیفہ کو اختیار کرلیا ہے۔ بعض قومیں اپنے آباء واجداد کے مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب، بدھ مذہب یا اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئی ہیں، بعض قوموں نے اپنی زبان بالکل بدل دی ہے اور بعض قوموں نے اپنے نظام سیاست اور فنون لطیفہ کو بالکل دوسرے قالب میں ڈھال لیا۔ دور جدید میں بھی اسلامی مدبرین یورپ کی ترقی سے گھبرا کر اپنا چولا اتار کر مغربی رنگ کو اختیار کررہے ہیں۔ اصول مذہبی میں کاٹ چھانٹ، زبان میں ترمیم، لباس ومعاشرت میں تبدیلی، فنون لطیفہ میں دست درازی وغیرہ وغیرہ مزاج عقلی سے کھلی جنگ ہے جو مفید ہونے کے بجائے سخت ضرررساں اور پستی کی طرف دوڑنا ہے۔ درحقیقت تاریخ ان انقلابات کی روایت میں اپنی قدیم فطری غلطی کی تائید کررہی ہے ورنہ ہم اگر ان انقلابات وتغیرات کو دقیق نگاہ سے دیکھیں تو ہمیں نظر آوے گا کہ ان تمام چیزوں کے صرف نام بدل گئے ہیں، حقیقت نہیں بدلی۔ الفاظ کی تہہ میں جو معنی تھے وہ اب تک زندہ ہیں اوراس میں بہت دنوں بعد تغیر پیدا ہوا۔ ہم اپنی تائید میں اگر عناصر تمدنی کا ذکر کریں تو بہت طویل ہوگا، اس لئے ہم صرف تمدن کے سب سے بڑے عنصر مذہب کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہوجاوے کہ جو نظریہ تمدن کے ایک عنصر پر صادق آتا ہے وہ اس کے دوسرے عناصر پر نہیں صادق آسکتا ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ مذہبی انقلابات کی تاریخ اس نظریہ کے بالکل مخالف ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صرف مذہبی تاریخ ہی میں اس نظریہ کی صحت کی یقینی مثالیں ملتی ہیں اوراس میں اس قسم کے دلائل پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان اپنے قدوقامت میں خط وخال، رنگ وروپ کے بدلنے کی قدرت نہیں رکھتا اسی طرح کوئی قوم اپنے تمدنی عناصر میں بھی تغیر نہیں پیدا کرسکتی۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ تمام بڑے بڑے مذاہب مثلاً بودھ مذہب، ہندومت، عیسائیت اور اسلام کے حلقۂ اثر میں دفعتاً بڑی بڑی قومیں داخل ہوگئی ہیں۔ اور ان مذاہب نے ان کے اصل مذہب کو دفعتاً بدل دیا ہے، لیکن غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں نے اپنے اپنے قدیم مذہب کی حقیقت کو نہیں بدلا ہے صرف ان کے نام کو بدل دیا ہے اور ان جدید مذاہب نے ان کے قدیم مذہب میں کوئی تغیر نہیں پیدا کیا ہے۔ بلکہ وہ خود ان کے قدیم عقائد کے قالب میں ڈھل گئے ہیں۔ اس بناء پر اس جدید مذہب کی حقیقت اس قدیم مذہب کے پھیلاؤ اور وسعت سے زائد نہیں بلکہ ان مذاہب میں جو ایک قوم سے منتقل ہوکر دوسری قوم میں آتے ہیں اس قدر تغیر پیدا ہو جاتا ہے کہ صرف ان کا نام ہی نام باقی رہ جاتا ہے۔

بودھ مذہب اس کی نمایاں مثال ہے چنانچہ جب وہ چین میں داخل ہوا تو اس کی تمام خصوصیات اس طرح مٹ گئیں کہ اول اول علماء نے اس کو ایک مستقل مذہب خیال کیا اور ان کو ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بودھ مذہب ہے جس میں چینیوں نے اس قدر تغیرات پیدا کردئے ہیں۔ یہ مذہب ہندوستان، چین، نیپال، سیلون میں بھی قائم ہے لیکن اس کی حقیقت ہر جگہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ وہ ہندوستان قدیم برہمنی یا ہندو مذہب کی ایک شاخ ہے اور ان دونوں میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے لیکن چین میں وہ اسی مذہب سے گہرا تعلق رکھتا ہے جو اس کے پہلے وہاں عام طور پر موجود تھا۔ قدیم ہندو مذہب کی بھی یہی حالت ہے ہندوستان مختلف ذاتوں کا مرکز ہے اور اگرچہ ان سب کا ایک مذہب ہے تاہم ان مختلف گروہوں کے عقائد میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر ہم وید میں ہندوستان کے حقیقی مذہب کی تحقیقات کرنا چاہیں تو ہم کو ان تمام معبودوں سے جو یہاں پوجے جاتے ہیں اور ان تمام عقائد میں سے جو یہاں کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں صرف معدودے چند کا پتہ لگے گا۔ اس لحاظ سے اگرچہ برہمنی مت وید مقدس کی عزت کرتا ہے لیکن اس کتاب نے جس مذہب کی تلقین کی ہے اُس کا کوئی جزء محفوظ نہیں ہے۔ یورپ میں بھی عیسائیت اختلاف اقوام کی بناء پر ان تغیرات سے محفوظ نہیں۔ مذہبی کتابوں کی تفسیر وتشریح ہر قوم نے اپنے مذاق پر کر کے مختلف مذہب بنا لئے۔

عیسائیوں میں بعض قومیں خالص بت پرست ہیں جیسا کہ برطانیہ زیریں کے باشندے، اسپین کے عیسائی مخلوقات کو خدا قرار دیتے ہیں۔ اٹلی کے دہقانی جناب مریمؑ کے مجسمہ کو خدا مانتے ہیں۔

اسلام بھی اپنے عقیدے کی سادگی کے باوجود اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ چنانچہ ایران، عرب اور ہندوستان کے اسلام میں عظیم الشان فرق ہے۔ ہندوستان میں شرک کا اعتقاد نہایت پختہ طور پر قائم تھا۔ اس لئے ہندوستانیوں نے سخت سے سخت مواخذانہ مذہب میں بھی آسانی کے ساتھ بہت سے خدا پیدا کرلئے پھر دوئی کو خدائی صفات دے کر اپنے ہزاروں معبودوں کے ساتھ ان کا بھی اضافہ کرلیا۔

مشرقی بنگال، دکن، مدراس اور سندھ کے بعض اضلاع و قصبات میں اسلام کی صورت اس قدر مسخ ہے کہ اس میں اور ہندوؤں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ مسلمانان الجیریا کی حالت دیکھو، ان میں دو مختلف قبیلے ہیں۔ عرب، بربر اور دونوں مسلمان ہیں لیکن دونوں کے اسلام میں بڑا فرق ہے۔ بربریوں کے اسلام میں اس بت پرستی کی بھی آمیزش پائی جاتی ہے، جس کے وہ ''کارتج'' دور حکومت سے خوگر ہوگئے تھے، عرب کی جاہلیت کے رواسم ومعتقدات آج تک ان کے اسلامی رواسم میں مخلوط ہیں اور ایران کے قدیم مذہبی روایات سے ان کا اسلام خالی نہیں۔

یہ سب شواہد ونظائر اس بات کے ہیں کہ قوم کا مزاج عقلی کسی انقلاب انگیز تحریک سے بھی نہیں بدلتا، نہ عناصر تمدنی میں

کوئی تغیر ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سرزمین حجاز میں آ کر ایک انقلابی روح کو پھونکا اوران کی جہالت و بہیمانہ خصائل کو تھوڑی مدت کے لئے اس انقلاب انگیز تحریک کے ذریعہ کچل دیا۔

لیکن درحقیقت ان کے مزاج عقلی میں سرمو تغیر نہ ہوا اور بانی اسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام خصوصیات کو لے کر قوم عرب پھر کھڑی ہوگئی۔ نام کا اسلام تھا لیکن اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے نظریہ میں وہی خصائص قومی کارفرما تھے جو قدیم سے ان میں پائے جاتے تھے۔ جناب امیرؑ نے اس اسلامی مشن کو اسی طرح چلایا جس طرح سے رسولؐ اپنے مشن کو آخری دم تک چلاتے رہے لیکن علوی مشن کو کچھ دشواریاں زائد ہوگئی تھیں۔ اس لئے کہ دائرۂ اسلام حجاز سے نکل کر روم وشام وعراق وعمان وایران ومصرو یمن تک پہنچ چکا تھا۔

اور وہ بھی تبلیغی حیثیت سے نہیں بلکہ قہر وغلبہ، جنگ وجدل کے ذریعہ سے۔ لہٰذا اقوام مذکورہ کے تاریخی وتمدنی خصائص کا مقابلہ ایک طرف، ان کی منتقمانہ اسپرٹ ایک طرف، یہ مقابلے اس صورت میں جبکہ خود مرکزی اسلام میں اس کی بنیاد مضبوط نہ تھیں۔

خصوصاً وفات رسولؐ سے جو دھچکا اسلامی مشن کو پہنچا تھا اس کی اصلاح کچھ نہ ہوسکی تھی۔ اس لئے دبی ہوئی چنگاریاں خاندانی عداوتوں اور خودغرضیوں کی بھی بہت کچھ سدراہ تھیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیہم خانہ جنگیوں کے ساتھ علوی مشن کا مسجد کوفہ میں شہادت کے ساتھ خاتمہ کردیا گیا۔ امام حسنؑ کے لئے موقع ہی نہ رہا کہ وہ اپنے نانا کے مشن کی علانیہ سرپرستی کرتے، لیکن محمدؐ ثانی حسینؑ مظلوم نے اس مفلوج مشن کو کامیابی اور ہنگامی انقلاب کے ساتھ ساتھ حالات وواقعات کی بناء پر نظر رکھتے ہوئے اپنی سیاسی بنیاد اس سنگلاخ زمین پر رکھی جو ابدالآباد تک کے لئے غیر متبدل ہے، اور یہی طرۂ امتیاز حسینی مشن کا ہے۔ "حسین منی وانا من الحسین" کا یہی فلسفہ ہے۔ انہوں نے اقوام عالم کی روح مشترک کو سمجھا۔ اور اپنے تدبر وذہانت سے استقراء تام کر کے اس حد مشترک کو ڈھونڈ نکالا جو ہمیشہ ہمیشہ اقوام عالم کے مزاج عقلی میں باوجود تباین واختلاف کارفرما ہے اور اس تلاش وجستجو والہامی ذہانت پر وہ تاریخ عالم میں ابدالآباد تک کے لئے مبارک باد کے مستحق ہوگئے۔ اسی حد مشترک کو لے کر روح قومی کی تعمیر تین دن کی بھوک پیاس میں اپنے خون سے کردی۔ جس کو رجز میں آپ نے دشمنوں کے بھرے مجمع میں اعلان کر کے تاریخ کے نہ بھولنے والے اوراق کا سرمایہ بنادیا اور فرمایا:

الموت اولیٰ من رکوب العار

والعار اولیٰ من دخول النار

عزت وناموس پر جان نثار کردینا چاہئے اور جان وعزت کو خدا کی راہ میں دے دینا چاہئے۔ اسی اصول پر انتہائی مظلومیت کے ساتھ تمام قہر واستیلا، ہر قسم کے تشدد وظلم کا مقابلہ کر کے حق کی طرف داری میں جان و مال و اولاد وعزت نثار کردی اور اپنے متبعین کو عمل سے صرف اسی کی تعلیم دی۔ یہ ایک ایسا نظام سیاسی تھا جس پر عامل ہونے سے تمام عناصر تمدنی میں کسی قسم کا بھی تمدن ہو عام انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مزاج عقلی اقوام مختلفہ کا کیسا ہی متضاد ہو، مظلومیت کا جتنا شدید مظاہرہ ہوگا اتنا ہی شدید انقلاب مزاج عقلی میں پیدا ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس تعلیم میں اتنی قوت ہے کہ آج تمام سیاسی فرقوں میں باوجود سخت مغائرت کے اور خیالات کے شدید تناقض کے سب کی ایک ہی حقیقت ہے اور ان کے اندر سے حسینیؑ روح علانیہ جھلک رہی ہے انتہاپسند، شخصیت پرست، سوشلسٹ غرض کہ تمام فرقے مختلف رنگ کی جھنڈیوں کے نیچے ایک ہی منزل مقصود کی طرف جارہے ہیں۔ اور سب کا نصب العین صرف یہ ہے کہ افراد کو تمام اقوام کی حکومت حسینیؑ کے اندر فنا ہوجانا چاہئے ہر فرقہ یہ چاہتا ہے کہ قوت ونفوذ حکومت حسینی کے دامن میں اس طرح سمٹ کر آجاویں کہ ہر چیز کی باگ حسینؑ کے ہاتھ میں آجاوے، حکومت حسینؑ ہر چیز کی ترتیب دے اور انہیں کی طرف تمام

چیزیں سمٹ آویں۔ معمولی سے معمولی جزئیات کے متعلق بھی وہ افراد کی زندگی کو قانون حسینیؑ کے شکنجہ میں جکڑ دیوے اور مخلوق کو دنیا کے جھگڑے بکھیڑے سے نجات دلا دے۔

بادشاہ ''امپراطور'' پریسیڈنٹ غرضکہ حکومت کسی کے ہاتھ میں بھی ہو، افراد کا صرف مقصد یہ ہے کہ امن وامان، راحت واطمینان حاصل ہو اور عوام اشتداد کے ساتھ ہمیشہ ناحق کا مقابلہ کریں۔ یہی مقصد تمام قوم میں روح حسینؑ کی ترجمانی کرتا ہے۔ امام حسینؑ کے سچے متبعین اس اصول کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف نہیں جاسکتے اور قوم شیعہ ہر مذہب وملت پر سلطنت وحکومت میں اس کے ساتھ خود بھی زندگی بسر کرسکتی ہے۔ اور دوسروں کو بھی امن وراحت وسلامتی کا پیغام پہنچانے میں کامیاب ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ لیڈروں کی غلط کارروائی سے اس قوم کا تصادم دوسروں سے ہو جاوے لیکن یہ خاموش مشن جنگی اسپرٹ کھوکر امن وامان کے گہوارے میں ہر قسم کی جدوجہد میں مشغول رہ سکتا ہے۔

ایک طرف ہمارے نظام عصبی کا تموج اور آسانی کے ساتھ بدلنے والا مذاق ہم سے کیا کہتا ہے کہ ''کاش'' اس نظام مظلومیت کے بجائے جو ہر وقت ہم کو سہنے اور تشدد کے مقابلے میں خاموش رہنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ رونے رلانے سے بزدلی پر تیار کیا جاتا ہے کوئی دوسرا انظام ہوتا تو ہماری حالت بہتر ہوجاتی، لیکن دوسری طرف شہیدوں کی آوازیں ان کے مزاروں سے آتی ہیں۔ ہماری مظلومیت نے ہمیشہ ظالموں کو رحم پر آمادہ کیا، ہماری مظلومیت نے بڑی بڑی جبار قوتوں کو مسخر کیا، ہماری مظلومیت نے دکھا دیا کہ حق کی حمایت میں غیر متزلزل صبر و استقلال سے خونی اسلحہ ہمیشہ کے لئے بیکار ہوگئے، ہماری مظلومیت نے دکھا دیا کہ بہترین تمدنوں اور مہذب ترین اقوام میں ہم سرتاج ہوکر چمک سکتے ہیں۔ ہماری مظلومیت نے ہر قسم کی ترقیوں کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھلے رکھے ہیں۔ ہمارے جذبہ مظلومیت نے ہماری تعداد نفوس میں روز افزوں افزائش کی اور ہر دلعزیزی اختیار کی، مالی تفوق، علمی تفوق، سیاسی تفوق حاصل کیا۔ پھر آج کیا ہے جو ہم صدیوں کے تجربہ کے بعد اس نظام سیاسی کو بدلیں۔

دنیاوی ہر ترقی، عالمگیر حکومت جو چاہے حاصل کرو لیکن ناحق کوشی نہ ہو، تشدد نہ ہو بلکہ صبر واستقلال ہمت وایثار، قربانی و مظلومیت کے ساتھ۔

یہ وہ نظام ہے کہ جو وجود عالم سے آج تک یکساں کامیاب رہ سکتا ہے اور آج سے قیامت تک صفحات تاریخ کو الٹ ڈالو، میدان رزم کی ہر خون آشام داستان ہنگامی اور وقتی کامیابیوں کے ساتھ کوئی ثبات و دوام اپنے دامن میں نہیں رکھتیں **لاینال عھدی الظالمین** خدائی عہد ظالموں سے پورا نہیں ہوتا انتہائی تشدد اور سخت ترین مادی اور جنگی کارگزاریوں کا آخری نتیجہ صلح وآشتی ومحبت ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی قوت چندروزہ اشتداد کے بعد ایک چھوٹی اور کمزور قوم کے آگے جھکنے پر مجبور ہوتی اور اتحاد عمل واشتراکت حکومت کی دعوت دے کر سکون وامن پیدا کرسکتی ہے۔

دنیا کی اشتدادی طاقتوں کا خاتمہ ہوگیا اور جتنے بھی اشتدادی مظاہرے تھے نئے نئے لباس میں ظاہر ہوکر سب ہی چل بسے اور اپنے کئے کی پاداش اٹھانا پڑی۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کسی نے کبھی ظالموں سے ہمدردی نہیں کی نہ ان کے ظلم وتشدد کو سراہا **فما للظالمین من نصیر** لیکن مظلومیت کا دائمی بول بالا رہا اور ہمیشہ ہمیشہ کی فتح مظلومیت ہی کو ہوئی۔ آخری جیت مقتول ہی کی ہے **فلایسرف فی القتل انه کان منصورا** جس قدر دل کھول کر قتل و غارت کیا جائے گا۔ مادہ پرست نہ سمجھیں اور مادی قوتوں کے ظاہری اور فوری نتائج کے پوجاری رہیں، لیکن وہ حقیقت وواقعیت کو نہیں جھٹلا سکتے۔ پولیس، فوج، آیروپلین، مشین گن، سمیرین، زہریلی گیس، اور طرح طرح کی مہلک چیزیں انسانی خون آشامی کے لئے ایجاد ہوئیں اور برابر ان ایجادات کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان اقوام کا نہایت بیچینی سے عام مطالبہ ہے، کہ

قوائے حربیہ کی تخفیف ہو، برابر کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ تا کہ جنگ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے۔ تاریخ اس زمانے کی زشت کاری ووحشت وبربریت کے ملعون افسانے آئندہ نسلوں کے لئے نفرت وحقارت کے لئے چھوڑنے والی ہے۔

حسینی مشن نے کیا کیا۔ بنی امیہ کے جبر وتشدد کے مقابلہ پر مقاومت مجہول کی اور کبھی یزیدی ظلم سے تعاون نہ کیا یزید کا بیعت کے لئے جب شدید تقاضہ ہوا اور قانون حکومت کی پابندی کا ''ولید'' کے ذریعہ سے شدید مطالبہ ہوا تو امام حسینؑ نے قانون یزید کو ٹھکرادیا۔ اور ''سول نافرمانی میں'' ہر جبر واشتداد کو برداشت کرلیا۔

یزید نے امام حسینؑ کو مدینہ میں امن اور راحت کی زندگی بسر کرنے سے روکا۔ تو امام حسینؑ نے خاص اسی مقام پر منتخب کیا جہاں ان کے پدر بزرگوار کا خون بہایا گیا تھا۔ یزید نے خون حسینؑ کا مطالبہ کیا تو اس حق کے پرستار نے عزیز واقارب اور بچوں تک کے خون دینے میں دریغ نہ کی۔ یزید نے ہر قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا تو حسینؑ نے مظلومیت کے پیکر میں خود کو پیش کیا۔ یزید نے مردوں کی قربانی کی دعوت دی تو حسینؑ نے عورتوں تک کو اسیری کے لئے پیش کردیا۔ یزید نے زندگانی دنیا چھوڑنے پر دعوت دی تھی تو حسینؑ نے نعشوں کو بھی کربلا کے ویران سنسان جنگل میں بے گور وکفن پڑا رہنا گوارا کیا، مگر یزید سے نہ تعاون کرنا تھا نہ کیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سرخیل شہداء ہمیشہ کی فتح مندی حاصل کر کے کربلا کے جنگل میں سو رہا اور بنی امیہ ابدالآباد کے لئے نظروں میں دنیا کی ذلیل ورسوا ہو کر تخت وتاج سے محروم ہوگئے۔

پولیس، قلعہ وفوج، ڈاکوؤں، رہزنوں اور جرائم پیشہ لوگوں کی تادیب وسرزنش کے لئے موزوں ہے۔ اس وقت جب کہ اخلاق ونصیحت، تعلیم وتربیت سب بیکار ہوں یا ہنگامی تہیجات ہوں۔ لیکن ملکی آزادی اور سیاسی ومذہبی انقلابات میں صرف مظلومیت وعدم تشدد ہی کامیاب ہوتا ہے۔ دنیا کے مبلغین و واعظین نے مذہبی انقلابات مظلوم بن کر پیدا کئے، محبت وآشتی و رواداری کر کے۔ قوم کیسی ہی بے رحم وظالم کیوں نہ ہو لیکن اشتدادی مظاہرے کے تحت میں محبت وترحم کا تقاضہ رہتا ہے۔

خود یزید اور اس کے ساتھی باوجود اس سفا کی وبے رحمی کے عین موقعوں پر ظلم واشتداد سے ندامت وخجالت کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ بہر حال جبر، شدت، قہر وغلبہ، قتل وغارت گری، قید و بند، جلاوطنی، زد وکوب وغیرہ اگر قوت ہیں تو ان کی ضد بیشک صبر و تحمل، مظلومیت، خاموشی، برداشت و استقلال، ایثار، قربانی، رضا بھی بڑی قوت وطاقت ہے جس میں فتح وغلبہ یقینی ہے۔ اور سابق الذکر قوت میں مشکوک ومظنون یہی روح حسینؑ ہے جس کے فقدان یا غلط استعمال سے آج ظلمتوں پر شیعہ پست ترین اقوام میں داخل ہوکر بربریت، جہالت بے تمدنی کا مظہر بن گئی ہے۔ شہادت امام حسینؑ پکار پکار کر دعوت دے رہی ہے کہ حق و آزادی کی طلب میں انتہائی مصیبت جھیل کر مرجاؤ حق وآزادی کی حمایت میں بڑی سے بڑی قوت سے مقاومت مجہولہ کر کے اس کی تمام ظالمانہ اسکیموں کو باطل کردو۔

حق وآزادی کے حصول میں بڑی سے بڑی لالچ ورشوت وخوف وظلم سے نڈر ہوکر بے جگری سے عدم تعاون کرو۔ حق و آزادی کی غرض سے سب سے زیادہ قانونی احترام کرنے والی حکومت کو سول نافرمانی کر کے بے کار کردو۔ امام حسینؑ نے یہی کیا اور نانا کے دین کو ہمیشہ کے لئے بچالیا ؎

"سرداد ونداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ"

قوم شیعہ کے رہبروں اور مصلحوں کا فرض اولین ہے کہ فلسفہ شہادت امام حسینؑ کا بغور مطالعہ کریں۔ شہادت کے تکالیف ومصائب بیان کر کے رونے رلانے کے ساتھ قوم شیعہ کی تعمیر حسینی تعلیم پر کریں، جس قوم میں جذبہ شہادت وایثار وقربانی، مظلومیت وصبر و استقلال، حق پرستی وآزادی کے لئے پیدا ہوجائے گا وہ قوم بے لڑے بھڑے ایک دن شرق سے غرب تک حاکم ومالک ہوجائے گی۔

ان الارض یرثھا لعبادی الصالحون۔

انہیں نیک بندوں کو تمام روئے زمین میں میراث ہے بس۔

(ماخوذ از ''سرفراز'' لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۶۷ھ)